نیکی میں ترقی کے حصول کے لئے ہمیشہ خدا تعالیٰ کی طرف قدم بڑھاتے رہنا چاہئے

(خطبہ جمعہ فرمودہ 20 مارچ 1998ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد و تعوذ اور سورہ فاتحہ کے بعد حضور انورؒ نے درج ذیل آیات کریمہ کی تلاوت کی:

يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ۚ﴿۷﴾ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۙ﴿۸﴾ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ۙ﴿۹﴾ (الانشقاق: 7 تا 9)

پھر فرمایا:

جن آیات کی میں نے تلاوت کی ہے یہ سورۃ الانشقاق کی سات سے نو آیات ہیں اور ان کا ترجمہ یہ ہے کہ اے انسان تو اپنے ربّ کی طرف بہت مشقت کے ساتھ اور زور لگا کر جانے والا ہے اور پھر اس سے ملنے والا ہے۔ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ پس وہ شخص جسے اس کی کتاب دائیں ہاتھ سے دی جائے گی۔ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا تو اس سے بہت آسان حساب لیا جائے گا۔

ان آیات میں خوش خبریاں بھی ہیں اور تنبیہات بھی ہیں اور خوشخبری تو سب سے بڑی یہی ہے کہ آخر اللہ تعالیٰ سے ملنا ہے لیکن کس رستہ سے ملنا ہے مشکل رستہ سے یا آسان رستہ سے اور وہ لوگ جو خدا کی راہ میں محنت کرتے ہیں یا کرنے والے ہیں ان دونوں کے لئے دونوں راہیں کھلی ہیں مشکل رستہ سے بھی جا سکتے ہیں اور آسان رستہ سے بھی جا سکتے ہیں۔ یہ مشکل رستہ کون سا ہے اور آسان کون سا ہے اس کی کچھ تشریح میں یہاں آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔

ہر انسان جو خدا کی خاطر محنت کر رہا ہے اسے بالآخر اُس سے ملنا تو ہے مگر اگر اس کی محنت کامیاب نہ ہو یعنی رستہ کی مشکلات اس پر حاوی رہیں اور ملنے کی راہ میں شیطانی روکیں بہت بڑی ہوں جن کو پوری طرح عبور نہ کر سکے، تو ملے گا تو یہ بھی، مگر حِسَابًا یَّسِیْرًا کے ساتھ نہیں ملے گا اس رستہ کی بہت سی غلطیاں ایسی ہوں گی جن کو اللہ تعالیٰ معافی کے لائق نہیں سمجھے گا۔ اس لئے معافی کے لائق جو غلطیاں ہیں ان کے لئے حِسَابًا یَّسِیْرًا کا لفظ استعمال ہوا ہے جو غلطیاں خدا کے علم میں معافی کے لائق نہیں ان کے لئے یہ خوش خبری نہیں ہے کہ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ حساب تو دونوں کا ہوگا لیکن ایک مشکل حساب ہے اور ایسا حساب ہے جیسا کہ احادیث نبوی ﷺ سے پتا چلتا ہے کہ باریک نظر سے ان کے کھاتوں کا مطالعہ کیا جائے گا اور ہر غلطی کو نکال کے نمایاں کر دیا جائے گا۔ اس قسم کے حساب کا تجربہ انسان کو اپنی روزمرّہ کی زندگی میں ہوتا ہی رہتا ہے۔ بعض لوگ ایسےججوں کے سامنے پیش ہوتے ہیں جو فیصلے کئے بیٹھے ہوتے ہیں کہ اس کو پکڑنا ہے اس کے سارے کھاتے منگوا لیتے ہیں اگرچہ اپنی طرف سے سب اچھی طرح کھنگال کر دیکھتے ہیں اور جہاں کوئی غلط بات نکلے اس کو نمایاں کر دیتے ہیں اور اس میں ان کا ضد اور تعصب شامل ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ جب حساب کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس میں کسی ضد کا تعصب کا سوال نہیں۔ خدا کے علم میں ہر چھوٹی سے چھوٹی غلطی بھی ہے اور سب بڑی سے بڑی غلطیاں بھی ہیں۔ ان غلطیوں پر نظر رکھتے ہوئے وہ قیامت کے دن حساب کتاب سے پہلے یہ فیصلہ کر چکے گا کہ فلاں شخص کا اعمال نامہ اتنا گندہ ہے اور اتنی بالارادہ غلطیاں شامل ہیں کہ اسے معاف نہیں کرنا اور چونکہ معاف نہیں کرنا اس لئے سب عالم کے سامنے یوم محشر میں ہر ایک کے سامنے اس کا کھاتہ خود بولے گا اور ایسا بولے گا کہ ہر شخص مطمئن ہو جائے گا کہ اس سے کوئی ناانصافی نہیں کی گئی۔ جو کچھ کہا گیا ہے بعینہٖ اِسی کا اُس کا اعمال نامہ تقاضا کر رہا تھا۔ پس ایک یہ ہے كَدْحًا جس رستہ سے انسان گزرتا ہے یا گزرے گا لازماً پہنچنا تو ہے وہاں اور کن مشکلات کے ساتھ پہنچنا ہے یا کس آسانی کے ساتھ، یہ اس نے فیصلہ کرنا ہے۔

اس ضمن میں قرآن کریم کی بعض اور آیات بھی ہیں جو میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں جو اسی مضمون پر روشنی ڈال رہی ہیں۔ سورۃ النبا میں لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّ لَا كِذّٰبًا۔ اہل جنت کے متعلق خوشخبری ہے کہ وہاں نہ وہ کوئی لغو بات سنیں گے نہ كِذّٰبًا۔ جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً

حِسَابًا ۝ رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ۔ یہ جزا ہے تیرے ربّ کی طرف سے عطا کے طور پر۔عطا میں حساب تو نہیں ہوا کرتا مگر یہاں حساب کا لفظ آیا ہے۔فرمایا ہے:عَطَآءً حِسَابًا ۝ رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ مَا بَیۡنَہُمَا الرَّحۡمٰنِ لَا یَمۡلِکُوۡنَ مِنۡہُ خِطَابًا ۝۔ (النبا:36 تا38) یہ ایسا حساب ہے جو آسمانوں اور زمین کے ربّ کی طرف سے ہے اور جو کچھ ان میں ہے یہ حساب رحمٰن خدا دے گا۔ لفظ رحمانیت نے بتا دیا کہ بہت آسان حساب ہونے والا ہے اور آسان حساب سے مراد یہ ہے کہ آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے وہ عطا ہوگی ان بندوں کی۔یعنی جو عمل ہے اس سے عطا کی کوئی نسبت ہی نہیں۔مگر اللہ جب حساب فرماتا ہے تو اس قسم کا حساب فرماتا ہے۔اسی کا نام حِسَابًا یَّسِیۡرًا ہے۔لَا یَمۡلِکُوۡنَ مِنۡہُ خِطَابًا۔وہ خدا تعالیٰ سے خطاب کا حق نہیں رکھیں گے۔کوئی ذاتی ملکیت نہیں ہوگی اللہ جسے خطاب کی اجازت دے گا اسی کو خطاب کی اجازت ملے گی۔دوسری جگہ فرمایا اِنَّ اِلَیۡنَاۤ اِیَابَہُمۡ۔جیسا کہ جمعہ کے دوران تلاوت والی سورۃ الغاشیۃ میں بیان ہے اِنَّ اِلَیۡنَاۤ اِیَابَہُمۡ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَیۡنَا حِسَابَہُمۡ ۝۔ (الغاشیۃ:26، 27) کہ ہمارے ہاتھ میں ان کی باگیں ہیں انہوں نے بہر حال ہماری طرف لوٹ کے آنا ہے۔ثُمَّ اِنَّ عَلَیۡنَا حِسَابَہُمۡ پھر ہم پر فرض ہے کہ ہم ان کا حساب کریں اور اس حساب میں سارے نیک و بد شامل ہیں،کوئی بھی ایسا نہیں جو حساب سے خالی ہو جائے گا۔جن کے متعلق بے حساب بخشش کا مضمون احادیث میں بیان ہوا ہے۔اس بے حساب بخشش کا مطلب یہ ہے کہ اُن کے حساب پر ایک سرسری نظر ڈالی جائے گی اور آگے گزار دیا جائے گا۔بعض دفعہ جیسے آپ ایک ملک سے دوسرے ملک میں داخل ہوتے ہیں تو پاسپورٹ نظر آرہے ہوتے ہیں کن کے پاسپورٹ ہیں۔تو بعضوں کو بس ایک نظر ڈال کے آفیسر کہتا ہے چلو نکلو۔تو وہ بھی حساب ہی تو ہے۔بغیر حساب کے کوئی نہیں جا سکتا۔مگر ان معنوں میں بغیر حساب کے جائے گا کہ اس کی چھان بین نہیں ہوگی۔اس کو ایک سرسری نظر کافی ہوگی یہ بات ثابت کرنے کے لئے کہ یہ جنت کا حق دار ہے۔

وَ اَمَّا مَنۡ اُوۡتِیَ کِتٰبَہٗ بِشِمَالِہٖ۔اب یَمِیۡنِہٖ کا ذکر تو گزر چکا ہے کہ جس کی کتاب اس کے داہنے ہاتھ سے اس کو دی جائے گی لیکن اب شِمَالِہٖ کا ذکر آئے گا وہ جس کی کتاب اس کے بائیں ہاتھ سے دی جائے گی۔داہنے ہاتھ سے مراد نیکی کا ہاتھ ہے،سچائی کا ہاتھ ہے تو مراد یہ ہے کہ جس کو اس طرح

کتاب دی جائے گی کہ دیتے ہوئے اس کو معلوم ہو جائے گا کہ میرا حساب آسان ہونا ہے کیونکہ دین کے رستہ سے اس کو کتاب مل رہی ہے۔ شمال سے مراد بایاں ہاتھ یا بدیوں کا رستہ ہے۔ تو وہ لوگ جن کو کتابیں دی جائیں گی وہ ایک ہی سمت سے اس طرح نہیں دی جائیں گی کہ معاملہ سب پر خلط ملط رہے بلکہ سارا محشر دیکھے گا کہ جن لوگوں کو عزت عطا ہونے والی ہے ان کو ان کے داہنے ہاتھ میں کتابیں تھمائی جائیں گی اور جن کے لئے ذلت مقدر ہے ان کو ان کے بائیں ہاتھ میں کتابیں تھمائی جائیں گی۔ وَ اَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ پس یقیناً وہ شخص جس کو بائیں ہاتھ سے کتاب دی جائے گی یا بائیں ہاتھ میں کتاب تھمائی جائے گی۔ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ۔ یعنی وہ منظر خود بتادے گا کہ میں مارا گیا، اس شخص کو بتادے گا کہ وہ مارا گیا اور بے اختیار کہے گا۔ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ۔ کاش ایسا ہوتا کہ مجھے میری کتاب نہ دی جاتی۔ وَ لَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ اور میں کبھی نہ جان سکتا کہ میرا حساب کیا ہے۔ يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ۔ (الحاقة: 26 تا 28) وائے افسوس کہ یہ تو ایک فیصلہ کن چیز ہے، فیصلہ کن کتاب ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی مضمون کو بیان فرمایا ہے اور اس کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ حضرت اقدس محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بھی یہ دعا کیا کرتے تھے کہ میرا حساب آسان کر دے اور حضرت عائشہؓ اس پر متعجب تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے حساب کی باتیں کیوں کرتے ہیں اور اپنے آسان حساب کی کیوں باتیں کرتے ہیں۔ آپ تو بے حساب بخشے جانے والے انسان ہیں۔ صحیح بخاری کتاب تفسیر القرآن سورۃ اذالسماء انشقت باب فسوف یحاسب حساباً یسیراً۔ اس میں دو روایتیں ہیں جو میں نے چنی ہیں۔ دونوں میں یہی مضمون ہے لیکن وہ مضمون ایک دوسرے کو کھول رہا ہے۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”جس سے حساب لیا گیا وہ تباہ ہو گیا۔ وہ کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آپ پر قربان۔ کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۙ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ۙ۔“

یہ کیا بات ہے میں قربان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے، آپ کی بات سچ ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے ہیں جس سے حساب لیا گیا وہ تباہ ہو گیا لیکن ساتھ ہی قرآن کریم میں یہ بھی تو فرمایا گیا ہے: فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ

بِيَمِيْنِهٖ ۙ﴿۸﴾ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ۙ﴿۹﴾ ۔ پس جسے اس کی کتاب دائیں ہاتھ سے تھمائی گئی اس سے بہت آسان حساب لیا جائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''یہاں حساب سے مراد اعمال سے آگاہ کرنا ہے لیکن جس کے محاسبہ میں سختی کی گئی وہ ہلاک ہو گیا۔''

(صحیح البخاری، کتاب تفسیر القرآن، باب فسوف یحاسب ۔۔، حدیث نمبر: 4939)

حساب سب کا ہوگا لیکن ایک حساب وہ ہے جہاں صرف اعمال سے آگاہ کرنا مقصود ہے وہ حِسَابًا يَّسِيْرًا ہے لیکن میں جو کہتا ہوں کہ ہلاک ہو گیا مراد یہ ہے کہ جس کے محاسبے میں سختی کی گئی وہ ہلاک ہو جائے گا۔

دوسری حدیث جو مسند احمد بن حنبل سے لی گئی ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ:

''ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دورانِ نماز یہ دعا کرتے ہوئے سنا۔ اَللّٰهُمَّ حَاسِبْنِي حِسَابًا يَّسِيْرًا، اَللّٰهُمَّ حَاسِبْنِي حِسَابًا يَّسِيْرًا ۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا مانگ رہے ہیں اور بار بار عرض کر رہے تھے نماز میں۔ اَللّٰهُمَّ حَاسِبْنِي حِسَابًا يَّسِيْرًا ۔ اے میرے اللہ مجھ سے آسان حساب کرنا۔ (حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:) جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے عرض کی اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حِسَابًا يَّسِيْرًا سے کیا مراد ہے؟ فرمایا جس کا اعمال نامہ سرسری نظر سے دیکھا گیا۔''

جیسا کہ میں نے آپ سے عرض کی تھی کہ یہاں بھی جب بارڈر کراس کئے جاتے ہیں تو بعض پاسپورٹ صرف سرسری نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ یہ دعا کر رہے تھے کہ میرا حساب نامہ بھی سرسری نظر سے دیکھا جائے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیوں بے قرار ہیں جبکہ لازماً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم تھا کہ اگر کوئی بے حساب بخشا جا سکتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اگر کسی کا اعمال نامہ سرسری نظر سے دیکھے جانے کے لائق ہے تو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اعمال نامہ اس لائق تھا لیکن یہ دعا کیوں کرتے ہیں کہ میرے حساب میں آسانی کرنا۔ اس کی وجہ وہ انکسار ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طرّہ امتیاز تھا اور اس انکسار میں ایک گہری حقیقت تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی فضل الٰہی کے سوا بخشے نہیں جا سکتے اور اپنے اعمال پر ذرّہ بھی فخر کی نگاہ نہیں تھی کیونکہ جانتے تھے کہ یہ

توفیق بھی تو اللہ ہی نے دی ہے ورنہ مجھے کیسے توفیق مل سکتی تھی کہ میں ایسے اعمال بجالاؤں۔تو انکساری اور شکر کے مزاج نے یہ دعا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کروائی ہے۔اے میرے ربّ میرا حساب آسان کرنا کیونکہ جو بھی مجھے عطا ہوا ہے تو نے عطا کیا ہے، تیری عطا ہے۔مگر میں تیرے شکر کا تقاضا ادا کرتا ہوں اور عجز کا تقاضا ادا کرتا ہوں اور عرض کر رہا ہوں کہ وہاں بھی احسان کا سلوک ہو جیسے یہاں احسان کا سلوک ہوا ہے۔پس شک کی وجہ سے نہیں بلکہ تضرّعات کا حصّہ ہے کہ عجز بھی اختیار کیا جائے اور شکر بھی ادا کیا جائے۔پھر فرماتے ہیں:

”مگر اے عائشہؓ جس سے پوچھ گچھ کی گئی تو وہ ہلاک ہو گیا۔ ہر وہ مصیبت جو مومن کو پہنچتی ہے اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے مومن کی کوئی غلطی معاف کر دیتا ہے حتیٰ کہ اگر اسے کوئی کانٹا بھی چبھے تو اس کی وجہ سے اس کا کوئی گناہ معاف کر دیا جاتا ہے۔“

(مسند احمد بن حنبل، مسند المکثرین من الصحابة، حدیث نمبر:24215)

تو حِسَابًا یَّسِیۡرًا کا ایک اور معنی معاف کرنا بھی فرما دیا کہ جس طرف عام انسان کی نظر پہنچ نہیں سکتی تھی۔فرمایا مومن کا حساب تو اس دُنیا میں جاری ہو چکا ہوتا ہے اور مومن کے حساب میں ایک کانٹا بھی داخل کیا جاتا ہے۔جو کانٹے کی تکلیف پہنچتی ہے گویا اس کو اپنے غلط اعمال کی جزا یہیں ملتی ہے اور قیامت تک پہنچنے سے پہلے اسی دُنیا میں اس کا حساب چکا کر یہ فیصلہ کر دیا جاتا ہے کہ یہ اب آسان حساب کا مستحق ہو گیا ہے کیونکہ دُنیا میں ہر تکلیف، ہر بیماری، ہر مشکل، ہر غم اس کے اعمال نامہ میں ایک جزا کے طور پر لکھا جائے گا۔

اب اس مضمون کو اگر آپ سمجھ لیں تو جو میں بار بار نصیحتیں کرتا آیا ہوں اور بعض لوگ نہیں سنتے کہ دُنیا میں جو غم پہنچتے ہیں، جو مشکلات ہوتی ہیں وہ اگر آپ مومن ہیں تو آپ کے کھاتے میں جزا کے طور پر لکھے جائیں گے اور قیامت کے حساب کی سختیوں سے آپ بچا دیئے جائیں گے۔یہ احسان ہے اور لوگوں کی اس احسان پہ نظر نہیں ہوتی۔کوئی پیارا ہاتھ سے نکل جائے، کوئی دکھ پہنچے، کوئی تکلیف، کچھ مال ضائع ہو تو ایسا واویلا کرنے لگتے ہیں کہ گویا وہ انہی کا تھا، انہی کا حق ہے، لازم ہے خدا پر کہ ان سے اس دُنیا میں ہر معاملہ میں نرمی برتے اور کبھی سختی سے کام نہ لے۔اس خیال کے ساتھ ان کا قیامت کا اعمال نامہ گندہ ہو جائے گا اور حساب یسیر کی فہرست سے نکل کے وہ حساب عسیر کی

فہرست میں داخل کر دیئے جائیں گے۔ اس لئے یہ سارا معاملہ کھول کر بیان کرنا ضروری تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس معرفت کے نکتہ نے مجھے یہ بات سمجھائی جو میں آگے آپ کو سمجھا رہا ہوں کہ مومن کی یہاں کی تکلیفیں اس کے وہاں کے حساب یسیر کے لئے ضروری ہیں اور جتنی زیادہ آزمائش خدا کی راہ میں آتی ہے اتنا ہی زیادہ حساب یسیر وہاں مقدر ہو جاتا ہے۔ اس مضمون کو سمجھیں تو تمام انبیاءؑ میں سب سے زیادہ تکلیفیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچیں۔ ذاتی بھی، منصب کی تکلیفیں، دشمن کی ہر وقت کی بکواس، دل کا آزار اور جسمانی تکلیفیں۔ کوئی دُنیا میں ایسا نبی دکھائیں جس کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر تکلیفیں پہنچی ہوں۔ اس کے بعد حساب یسیر کے سوا باقی کیا رہ جاتا ہے۔ کوئی دُنیا میں کہہ نہیں سکتا کہ مجھے تو تکلیف کے بدلے حساب دیا جائے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کون سی تکلیف پہنچی تھی۔ تو تکلیف اس لئے نہیں پہنچی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گناہ بخشے جائیں، تکلیف اس لئے پہنچی کہ ساری دُنیا کو نمونہ دکھا دیں۔ اس کو کہتے ہیں خدا کے رستہ میں كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ہر روک سے بے نیاز ہو کے میں گزرتا چلا گیا ہوں، ہر رستہ کے زخم مجھے پھول لگے، ہر آزمائش میں میں کامیاب ہو کر سرفراز نکلا ہوں اگر تم چاہتے ہو کہ تم بھی اسی طرح اللہ سے ملاقات کرنے والے ہو تو میرا رستہ پکڑو۔

اب میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعض اقتباسات آپ کے سامنے رکھتا ہوں جو اسی مضمون کو مزید واضح کرنے والے ہیں یا مضمون تو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح فرما دیا لیکن ان کی باریک راہوں کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دوبارہ دوہرایا ہے تا کہ ہمارے لئے بھی حساب یسیر کے سامان پیدا ہو سکیں۔ گزشتہ خطبہ میں میں نے مسٹر ڈکسن جو آسٹریلیا کا سیّاح تھا اس کا ذکر کیا تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک دفعہ صبح سیر پہ گئے تو اس کو کچھ نصیحتیں کیں۔ جتنی نصیحتیں میں نے بیان کی تھیں جو آپ نے اس کو کیں، ان کا اس مضمون سے تعلق تھا۔ لمبی سیر تھی اور لمبی باتیں تھیں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ڈکسن سے کیں اور ان سب باتوں کا اس مضمون سے تعلق نہیں ہے جو میں اب بیان کر رہا ہوں۔ اس لئے ان کو میں چھوڑ رہا ہوں۔ اُس حصّہ کو نکال کر آپ کے سامنے رکھتا ہوں جس کا اس مضمون سے براہ راست تعلق ہے۔ جو انسان حساب یسیر کے لئے تیار کیا جاتا ہے اسے اس دُنیا میں پاک زندگی ملتی ہے اور اس پاک زندگی کے

سوا وہ کسی بھلائی کی توقع نہیں رکھ سکتا۔ پس گناہوں سے بچ کر چلنا یہ کَادِحٌ اِلٰی رَبِّكَ كَدْحًا والی بات ہے کیونکہ جب بھی انسان ربّ کی طرف چلتے ہوئے گناہ سے بچتا ہے تو کچھ مشقت اختیار کرتا ہے۔ گناہوں سے بچنا آسان نہیں ہے۔ ہر گناہ سے بچنے کے لئے کوئی مشقت پیش آتی ہے نیکوں کو کم اور بدوں کو زیادہ اور انبیاءؑ کے لئے وہ مشقت رحمت اور لذّت بن جایا کرتی ہے لیکن ہم عام آدمیوں کی باتیں کر رہے ہیں۔ اس وقت جو ہم موجود ہیں یا وہ جو خطبہ کو سن رہے ہیں، جو آگے سنیں گے ان سب کو میں سمجھا رہا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مضمون کو کھول کر ایک ایسا خوبصورت جزا کا نقشہ کھینچا ہے جس سے طبیعتوں میں خود بخود اس طرف لپکنے کے لئے خواہش پیدا ہو جائے گی۔

''وہ پاک زندگی جو گناہ سے بچ کر ملتی ہے وہ ایک لعلِ تاباں ہے۔''

لعلِ تاباں اس لعل کو کہتے ہیں جو چمک رہا ہے۔ ہر لعل اپنے اندر ایک چمک رکھتا ہے مگر اُردو کے محاورہ میں لعلِ تاباں اس کو کہتے ہیں جو غیر معمولی چمک رکھتا ہو، جس میں کلیۃً صفائی پائی جائے۔

''ایک لعلِ تاباں ہے جو کسی کے پاس نہیں۔''

اب کسی کے پاس نہیں تو پھر اس کا مطلب ہے ہر شخص اس سے محروم ہے۔ مراد یہ ہے کہ جس زمانہ میں یہ مامور من اللہ خطاب فرما رہا تھا اس زمانہ میں یہ لعل آپ کے سوا کسی کو نصیب نہیں تھا۔

''وہ ایک لعلِ تاباں ہے جو کسی کے پاس نہیں ہے ہاں خدا تعالیٰ نے وہ لعلِ تاباں مجھے دیا ہے۔ (اب دیکھیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الفاظ کتنے محتاط ہیں۔ یہ نہیں فرمایا میرے پاس ہے، اس میں ایک تکبر کا رنگ پایا جاتا تھا۔) ہاں خدا تعالیٰ نے وہ لعلِ تاباں مجھے دیا ہے اور مجھے اس نے مامور کیا ہے کہ میں دنیا کو اس لعلِ تاباں کے حصول کی راہ بتا دوں۔''

دیا تو ہے مگر اس لئے نہیں کہ صرف میرے پاس ہی رہے گا۔ اس غرض سے دیا اور مجھے مامور فرمایا گیا ہے کہ میں ساری دُنیا کو اس لعل کو حاصل کرنے کی راہ بتا دوں۔ گویا آج کی ساری جماعت بھی اور دوسرے انسان بھی جو جماعت میں ابھی داخل نہیں وہ اس نصیحت پر غور کریں تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو لعلِ تاباں عطا ہوا ہے وہ ان کو بھی حاصل ہو سکتا ہے۔

’’اس راہ پر چل کر میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ ہر ایک شخص یقیناً یقیناً اس کو حاصل کرلے گا۔‘‘

اب مشکل راہ تو ہے مگر یقین بھی دیکھیں کیسا ہے اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ان آیات میں جو یقین ہے وہ اس تحریر میں بھی موجود ہے کہ وہ لعل مشکل تو ہے مگر اگر اس راہ پر چلو گے تو یقیناً اللہ تعالیٰ کو حاصل کرلو گے اس میں کوئی شک نہیں۔

’’اور وہ ذریعہ اور وہ راہ جس سے یہ ملتا ہے ایک ہی ہے۔جس کو خدا کی سچّی معرفت کہتے ہیں۔درحقیقت یہ مسئلہ بڑا مشکل اور نازک مسئلہ ہے کیونکہ ایک مشکل امر پر موقوف ہے۔‘‘

سچی معرفت کو مشکل امر بیان فرمارہے ہیں۔کہتے ہیں آسان راہ اور یقینی راہ تو ہے مگر ایک مشکل امر پر موقوف ہے۔اس مشکل کو اگر تم گوارا کرلو تو ہر دوسری مشکل آسان ہوجائے گی۔اگر اس سے ڈر گئے تو پھر تمہیں کچھ بھی نصیب نہیں ہوگا۔

’’درحقیقت یہ مسئلہ بڑا مشکل اور نازک مسئلہ ہے کیونکہ ایک مشکل امر پر موقوف ہے۔فلاسفر جیسا کہ میں نے پہلے کہا ہے(کہ) آسمان اور زمین کو دیکھ کر اور دوسرے مصنوعات کی ترتیب ابلغ ومحکم پر نظر کر کے صرف اتنا بتاتا ہے کہ کوئی صانع ہونا چاہئے۔‘‘

مگر ایسے فلسفی بھی دُنیا میں کم ہیں جو سب باتوں پر غور کر کے یہ فیصلہ کرسکیں کہ کوئی صانع ہونا چاہئے۔ میں نے Aristotle (ارسطو) کی مثال دی تھی وہ جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے وہ بظاہر خدا کی ہستی کا قائل نہیں تھا جیسا اس کے تاریخ دان بیان کرتے ہیں لیکن اس حقیقت کو نہیں سمجھتے کہ وہ فلسفی ان فلاسفرز میں تھا جن کی تعریف مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمارہے ہیں۔اس نے جب کائنات پر غور کیا تو اس لازمی نتیجہ تک پہنچا کہ اس کائنات کی ایک وجہ اوّل ہونی چاہئے جو کائنات کے مادہ سے تعمیر نہ ہو بلکہ اس سے وہ مادہ تعمیر ہو جو تخلیق کے نتیجہ میں پیدا ہوگا اور اس وجہ اوّل کے بغیر اس کائنات کا وجود ممکن ہی نہیں ہے۔ارسطو کو اس لئے رہتی دُنیا تک خدا تعالیٰ نے ایک عظمت عطا فرمائی کہ وہ سچا فلسفی تھا اور بات کی تہہ تک پہنچ کر جو نتیجہ اخذ کرتا تھا آج تک کوئی اس نتیجہ کو جھٹلا نہیں سکا۔اب یہ مسئلہ جب میں نے اس کی کتابوں میں دیکھا تو اس کے لئے میرے دل میں بڑی گہری عزت پیدا ہوئی کہ واقعۃً ایسے فلسفی ہیں جو سچے ہوں تو اللہ تعالیٰ خود ان کی راہنمائی فرماتا ہے۔پس ’’ترتیب ابلغ ومحکم پر

نظر کر کے۔'' ابلغ و محکم انتہائی بلیغ، اعلیٰ مضامین سے بھری ہوئی اور محکم جس کو ہلا یا نہ جا سکے، ٹلا یا نہ جا سکے۔''اتنا بتا تا ہے کہ کوئی صانع ہونا چاہئے۔'' اب یہ بھی تعریف Aristotle پر پوری اترتی ہے کیونکہ اس نے صرف اتنا کہا کہ ''ہونا چاہئے'' لیکن اس سے ذاتی تعلق قائم نہ کیا جو سقراط نے قائم کیا تھا، جو اس کا بھی جدامجد تھا، اس کو علم سکھانے والا سقراط ہی تھا۔ تو یہ عجیب بات ہے کہ انسان بعض دفعہ کسی کی پیروی کرتا ہے مگر سو فیصدی پوری پیروی نہیں کرتا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو معرفت کی باتیں بیان فرمائی ہیں ان کو سمجھنا کافی نہیں کیونکہ ارسطو نے بھی سقراط کی باتوں کو سمجھا تھا اور اسی کے نتیجہ میں اس کی منطق جب آگے بڑھی اس نے ''ہونا چاہئے'' تک کا مضمون حاصل کر لیا لیکن اس کو ایک زندہ وجود سمجھ کے اس سے ایک ذاتی تعلق قائم کرنے کی کسی کوشش کا کوئی ذکر ارسطو کی زندگی میں نہیں ملتا۔ اگر وہ صاف تھا، اگر وہ بدیوں سے پاک تھا تو محض اس کردار کی وجہ سے جو سچائی کے نتیجہ میں ضرور پیدا ہوتا ہے خواہ انسان کسی اعلیٰ ہستی کا قائل ہو یا نہ ہو۔ سچائی ایک ایسی بنیادی حقیقت ہے، ایسی ہمیشگی کی ایک صفت ہے جو جس شخص میں پائی جائے گی اس میں شرافت پیدا کر دے گی۔ یہ شرافت اسے خدا سے ملائے گی یا نہ ملائے گی یہ الگ مسئلہ ہے۔ پس ارسطو میں بھی یہ سچائی کی شرافت تھی جس کی وجہ سے اس کی ساری زندگی بہت شریفانہ اور ایک نمونہ کی زندگی تھی مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس سے آگے پہنچانا چاہتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

''مگر میں اس سے بلند تر مقام پر لے جاتا ہوں۔ (جہاں فلسفی کے قدم نہیں پڑتے وہ ایک مقام پر پہنچ کر ٹھہر جاتا ہے میں جو مامور من اللہ ہوں ایک بلند تر مقام پر لے جاتا ہوں۔) اور اپنے ذاتی تجربوں کی بنا پر کہتا ہوں کہ خدا ہے۔''

(الحکم جلد 5 نمبر 46 صفحہ: 3، 4 مؤرخہ 17 دسمبر 1901ء)

یعنی فَمُلٰقِیۡہِ کا وعدہ اس دُنیا میں پورا ہو گیا۔ اگر چہ اس آیت کا حوالہ نہیں دیا مگر مضمون بعینہٖ وہی ہے۔ ملاقات کے بعد ذاتی تجربہ نصیب ہوتا ہے اور اگر اس دُنیا میں ملاقات نہیں ہوئی تھی تو کیسے فرما سکتے ہیں کہ میں ذاتی تجربہ کی بنا پر کہتا ہوں۔ پس ایک ملاقات تو وہ ہے جو قیامت کے دن ہونی ہی ہونی ہے اس ملاقات کی بنیادیں اس زندگی میں قائم کی جاتی ہیں، کھڑی کی جاتی ہیں اور مرنے سے پہلے

انسان جان لیتا ہے کہ میں اپنے ربّ سے مل چکا ہوں۔ یہ یقین کی زندگی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مامور من اللہ کی اطاعت سے، آپؑ کی پیروی سے نصیب ہوگی اور اس میں جدوجہد بہت ہے جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے بعض لوگوں کے لئے ساری عمر کی ان تھک محنت ہے یا بعض لوگوں کے لئے ساری عمر کی تھکا دینے والی محنت ہے۔ دونوں میں سے ایک تو لازم ہے وہ تو بہر حال اختیار کرنی ہوگی۔

اب ان باتوں کے بعد اپنی جماعت سے مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جو توقعات رکھتے ہیں وہ میں آپ کے سامنے پڑھ کے سنا دیتا ہوں۔ فرماتے ہیں کہ میں جس رستہ کی طرف بلا رہا ہوں اگر تم میری جماعت کہلاتے ہو تو اپنے وجود سے اس بات کو ثابت کرو کہ تم میری جماعت ہو لیکن جس رستہ کی طرف میں بلا رہا ہوں اگر تم اس پر نہ چلنے والے ہو تو وہ لعل تاباں جو مجھے نصیب ہوا ہے دُنیا تو اس کو نہیں دیکھ سکتی تمہیں دیکھ سکتی ہے اور اگر تم وہ لعلِ تاباں نہیں ہو بلکہ گندے کوئلہ کی طرح ہو تو کیسے دُنیا کہہ سکتی ہے کہ میں امام وقت ہوں اور میرے پیچھے چلنے والوں نے لعلِ تاباں حاصل کر لیا یا لعلِ تاباں بن گئے۔ فرماتے ہیں:

”جماعت کے افراد کی کمزوری یا برے نمونہ کا اثر ہم پر پڑتا ہے۔“

یہ خیال مت کرو کہ تم آزاد ہو جس طرح کی چاہو زندگی بسر کرو اور ہم پر اس کا اثر نہیں پڑے گا۔ اس پر اثر پڑنے کی وجہ سے نظامِ جماعت سے خارج کرنے کی مجبوری پیش آتی ہے۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ یونہی سختی کی جارہی ہے۔ ہرگز یونہی سختی نہیں کی جارہی، سختی کی مجھے تکلیف پہنچتی ہے لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مجھے سب سے زیادہ عزیز ہیں اس لئے جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ کسی کے بد نمونہ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر غلط عکس ڈالا ہے اور ان کو دیکھ دیکھ کر لوگ غلط نتیجے نکالیں گے جب تک اصلاح کا امکان موجود ہے ان کی اصلاح کی جاتی ہے جب کٹ جاتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ وہ اصلاح کے لئے تیار نہیں تو لازماً ان کو جماعت سے اس لئے الگ کرنا پڑتا ہے کہ ان کی وجہ سے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کوئی غلط عکس نہ پڑے۔ یہی بات ہے جو مسیح موعود علیہ السلام یہاں کھول رہے ہیں۔

”جماعت کے افراد کی کمزوری یا برے نمونہ کا اثر ہم پر پڑتا ہے اور لوگوں کو خواہ مخواہ اعتراض کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔ پس اس واسطے ہماری طرف سے تو یہی نصیحت ہے کہ اپنے آپ کو عمدہ اور نیک نمونہ بنانے کی کوشش میں لگے رہو۔“

اب یہ جو کوشش میں لگے رہنا ہے یہ میں بیان کر چکا ہوں کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ سب کو خارج کیوں نہیں کر دیتے۔ اس لئے کہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ ”کوشش میں لگے رہو۔“ جن لوگوں کے متعلق یہ یقین ہے، ایسے آثار نظر آتے ہیں کہ وہ نیکی کی کوشش کر رہے ہیں اور اصلاح کی طرف مائل ہیں ہرگز مجھے اجازت نہیں ہے کہ ان کو جماعت سے باہر قرار دوں کیونکہ مسیح موعود علیہ السلام کے الفاظ مجھ پر حاکم ہیں۔

”کوشش میں لگے رہو۔ جب تک فرشتوں کی سی زندگی نہ بن جاوے تب تک کیسے کہا جاسکتا ہے کہ کوئی پاک ہو گیا۔“

اب یہ جو کوشش ہے اس کا انجام فرشتوں کی سی زندگی ہے اور اس زندگی کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جو آیت پیش فرما رہے ہیں وہ ہے یَفۡعَلُوۡنَ مَا یُؤۡمَرُوۡنَ (التحریم:7) کہ فرشتوں کی حالت سے مراد یہ ہے کہ جو کچھ انہیں حکم دیا جاتا ہے وہی کرتے ہیں۔ کیوں اور کیا اور کیسے کے سوال نہیں اٹھا کرتے۔ فرمایا یَفۡعَلُوۡنَ مَا یُؤۡمَرُوۡنَ جب میری جماعت اس حال کو پہنچ جائے گی کہ جو کچھ کہا جائے گا وہ اس کو کریں گے تب میں یہ کہہ سکوں گا کہ یہ جماعت فرشتوں کے مقام کو حاصل کر چکی ہے۔

”فنافی اللہ ہو جانا اور اپنے سب ارادوں اور خواہشات کو چھوڑ کر محض اللہ کے ارادوں اور احکام کا پابند ہو جانا چاہئے۔“

اب فنافی اللہ کا ایک اور مضمون تو یَفۡعَلُوۡنَ مَا یُؤۡمَرُوۡنَ ہے۔ دوسرا مضمون ہے جو مشکل راہ سے تعلق رکھتا ہے۔ فرشتے تو بنائے ہی ایسے گئے ہیں۔ یَفۡعَلُوۡنَ مَا یُؤۡمَرُوۡنَ۔ ان کی مجال نہیں ہے اِدھر اُدھر ہٹ سکیں، اس راہ سے ہٹ سکیں، ان کی صفات میں بالا رادہ رستہ سے ہٹنا داخل ہی نہیں فرمایا گیا لیکن انسان جو فنافی اللہ ہونے کی کوشش کرتا ہے اسے اس رستہ سے گزرنا ہوگا جسے اِنَّکَ کَادِحٌ اِلٰی رَبِّکَ کَدۡحًا فرمایا گیا اس کے لئے ہر قدم پر دو امکانات یا احتمالات پیدا ہوتے ہیں۔ نیکی کرے یا بدی کرے، نیکی کرے یا بدی کرے ان ٹھوکروں نے رستہ کو بہت مشکل بنا دیا ہے۔ فرماتے ہیں: ”فنافی اللہ ہو جانا اور اپنے سب ارادوں اور خواہشات کو چھوڑ کر محض اللہ کے ارادوں اور احکام کا پابند ہو جانا چاہئے۔“

اور اس پابندی میں ہر شخص جو اس مقام کو پہنچتا ہے یا پہنچنے کی کوشش کر رہا ہے اس کی ذمہ داری اس وقت تک ادا نہیں ہوتی جب تک اپنے گھر اور گردو پیش کو بھی اپنے جیسا نہ بنانا چاہے۔

”احکام کا پابند ہونا چاہئے کہ اپنے واسطے بھی اور اپنی اولاد، بیوی بچوں، خویش واقارب اور ہمارے واسطے بھی باعثِ رحمت بن جاؤ۔“

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریر کی یہ باتیں بے اختیار آپؑ کی محبت کے آنسو آنکھوں سے جاری کر دیتی ہیں۔ کتنا پاکیزہ، کتنا مکمل کلام ہے، ابلغ کلام ہے۔ فرمایا اگر تم نے یہ لعلِ تاباں حاصل کر لیا ہے اس رستہ پر چل پڑے ہو جو میں کہتا ہوں تو پھر صرف تمہارا اکیلے چلنا کافی نہیں۔ ”اپنے سب ارادوں اور خواہشات کو چھوڑ کر محض اللہ کے ارادوں اور احکام کا پابند ہو جانا چاہئے کہ اپنے واسطے بھی اور اپنی اولاد، بیوی بچوں، خویش واقارب۔“ ان سب کے لئے بھی یہی نمونہ بنو۔ یہی ان کو نصیحت کرو اور ان سب کے لئے رحمت بن جاؤ اور آخر پر فرمایا ”اور ہمارے واسطے بھی باعث رحمت بن جاؤ۔“ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جو ہمارے لئے باعث رحمت ہیں کیسا انکساری کا کلام فرماتے ہیں کہ اگر تم اس بات کا احساس رکھتے ہو کہ مجھے خدا نے مامور کر کے تمہیں کن کن مشکلات سے بچایا، کن گندی راہوں سے نکالا، کس پاک رستہ پہ چلا دیا تو شکر کا حق اس طرح بھی ادا کرو کہ میرے واسطے باعث رحمت بنو۔ تمہاری وجہ سے لوگ میرے اعلیٰ اخلاق کو پالیں، ان کو دیکھ لیں، تمہاری وجہ سے لوگ جان لیں کہ مجھے تو خدا تعالیٰ نے وہ لعلِ تاباں تھما دیا ہے پس جب تم وسیلہ بنو گے لوگوں کے مجھ تک پہنچنے کا تو گویا تم میرے واسطے بھی باعث رحمت ہو جاؤ گے۔ بہت ہی پیارا کلام، بہت ہی عاشقانہ کلام ہے اور جماعت سے جیسی محبت ہے اور جو تقاضے ہیں ان کو یہ کلام خوب کھول کر بیان فرما رہا ہے۔ فرماتے ہیں:

”مخالفوں کے واسطے اعتراض کا موقع ہرگز ہرگز نہ دینا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَمِنۡهُمۡ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ ۚ وَمِنۡهُمۡ مُّقۡتَصِدٌ ۚ وَمِنۡهُمۡ سَابِقٌۢ بِالۡخَيۡرٰتِ۔ (فاطر:33)۔“

مراد یہ ہے فَمِنۡهُمۡ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ ان میں سے ایسا انسان بھی ہے جو اپنے نفس کی خاطر اس پر ظلم کرتا ہے۔ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدۡحًا بعینہٖ یہی مضمون ہے۔ انسان اپنے نفس کی خاطر اس پر ظلم کرتا ہے جیسے ماں بچے کی خاطر بظاہر بچے پر ظلم کرتی ہے۔ ایک استاد طالب علم کی خاطر بظاہر اس پر ظلم کرتا ہے،

سخت کام لیتا ہے، اتنا گھر کا کام دے دیتا ہے کہ بے چارے کے لئے گھر میں بھی آرام میسر نہیں آتا۔ یہ مضمون ہے ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ، ہر انسان اپنے نفس سے بھی اس کی خاطر ایسا سلوک کرتا ہے جو مشکل ہو مگر ہو اس کی خاطر۔ وَ مِنۡهُمۡ مُّقۡتَصِدٌ اور ان میں مقتصد بھی ہیں جو نسبتاً توازن اختیار کرنے والے یعنی کچھ ظلم بھی کرتے ہیں کچھ نہیں بھی کرتے خدا جتنی توفیق دیتا ہے ہلکے قدموں کے ساتھ اس راہ پر چلتے ہیں۔ وَ مِنۡهُمۡ سَابِقٌۢ بِالۡخَيۡرٰتِ اور ان میں سے ایسے بھی ہیں جو خیرات میں سب کو پیچھے چھوڑ جاتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الفاظ میں پہلی دونوں صفات ادنیٰ ہیں۔ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ اور مُّقۡتَصِدٌ کی صفات نسبتاً ادنیٰ ہیں۔

”سَابِقٌۢ بِالۡخَيۡرٰتِ بننا چاہئے ایک ہی مقام پر ٹھہر جانا کوئی اچھی صفت نہیں ہے۔“

فرمایا ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ اور مُقۡتَصِدٌ اپنی ذات میں اچھی صفات ہیں مگر ان کے ساتھ سَابِقٌۢ بِالۡخَيۡرٰتِ کو جُڑ جانا چاہئے۔ یہ ایک بالکل نیا مضمون ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ان آیات کے تسلسل اور رابطے میں بیان فرماتے ہیں۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ سَابِقٌۢ بِالۡخَيۡرٰتِ ان سے الگ بالکل الگ انسان ہے۔ یہ لوگ اپنی اپنی جگہ اچھے ہیں اور وہ اپنی جگہ اچھا ہے۔ یہ پہلی دفعہ میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریر میں پڑھا اور اس کی حقیقت سمجھا کہ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ اور مُقۡتَصِدٌ بھی تب خدا تعالیٰ کی نظر میں مقبول ٹھہرے گا اگر وہ سَابِقٌۢ بِالۡخَيۡرٰتِ بھی ہو۔ اور سَابِقٌۢ بِالۡخَيۡرٰتِ ان دونوں خوبیوں سے کاٹ کر کوئی الگ مضمون نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس تحریر کو اب میری وضاحت کے بعد غور سے سنیں تو آپ کو بات سمجھ آ جائے گی۔

”پہلی دونوں صفات ادنیٰ ہیں۔ سَابِقٌۢ بِالۡخَيۡرٰتِ بننا چاہئے۔ ایک ہی مقام پر ٹھہر جانا کوئی اچھی صفت نہیں ہے۔ دیکھو ٹھہرا ہوا پانی آخر گندہ ہو جاتا ہے۔“

پس اگر اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ایک دو دفعہ کی آزمائش میں پڑ کر وہیں ٹھہر جائے تو وہ، وہ شخص نہیں ہے جو کامیابی کو پالے گا۔ اگر درمیانی راہ اختیار کرنے والا کچھ عرصہ اعتدال اختیار کر کے پھر تھک جائے تو وہ ہرگز نیکی کو پانے والا نہیں ہے۔ فرمایا اس کے لئے لازم ہے کہ وہ جاری رہے۔

”ایک ہی مقام پر ٹھہر جانا کوئی اچھی صفت نہیں ہے۔ دیکھو ٹھہرا ہوا پانی آخر گندہ ہو جاتا ہے، کیچڑ کی صحبت کی وجہ سے بدبودار اور بدمزہ ہو جاتا ہے۔“

جب پانی ٹھہر جاتا ہے، پانی خود تو اچھی چیز ہے جیسا کہ یہ دونوں صفات بیان کر رہی ہیں لیکن کیچڑ کی آمیزش کی وجہ سے کیونکہ وہ ٹھہر گیا اس لئے کیچڑ پیدا ہوا۔

"(وہ) بدبودار اور بدمزا ہو جاتا ہے۔ چلتا پانی ہمیشہ عمدہ، ستھرا اور مزے دار ہوتا ہے اگرچہ اس میں بھی نیچے کیچڑ ہو مگر کیچڑ اس پر کچھ اثر نہیں کر سکتا۔"

یہ معرفت کا نکتہ سب کو سمجھنا ضروری ہے۔ ہم جو خدا کے عام بندے ہیں جن کو بہت اعلیٰ بلند مقامات نصیب نہیں ہوئے وہ اپنے نفس کے اندر تہہ میں کیچڑ دیکھ کر گھبرائیں نہیں۔ کیچڑ سے پاک ہونا بہت بعد کی بات ہے لیکن اگر وہ چلتے پانی بنے رہیں گے تو ان کے نفس کا کیچڑ ان کے اعمال کو گندہ نہیں کر سکے گا اور ان سے بدبو نہیں آئے گی۔ ان سے خوشبو اٹھے گی اور ایسا صحت والا پانی بنیں گے جس کو لوگ پئیں گے اور سیراب ہونگے اور اس سے لطف اندوز ہوں گے۔ پس کتنی باریک مثالیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام دے دے کر ہمیں متوجہ فرما رہے ہیں کہ گناہ اور نیکی کی حقیقت کیا ہے اور خدا کے ہاں کیا بات مقبول ہے۔ "چلتا پانی ہمیشہ عمدہ، ستھرا اور مزے دار ہوتا ہے اگرچہ اس میں بھی نیچے کیچڑ ہو۔" اب "اس میں بھی" فرمایا ہے۔ صاف پتا چلتا ہے کہ بعضوں میں نہیں ہوتا اور کتنے باریک، لطیف اشارہ سے بتا دیا ہے کہ خدا کے ایسے بھی پاک بندے ہیں جن میں کیچڑ نہیں ہوتا مگر بعضوں میں کیچڑ بھی ہوتا ہے۔ پس میں کئی دفعہ جماعت کو توجہ دلا چکا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہر لفظ پر ٹھہر کر غور ضروری ہے ورنہ اس کی کُنہ کو آپ پا ہی نہیں سکتے۔ ایک ایک لفظ موتی کی طرح وہیں جڑا ہوا ہے جہاں اسے جڑا ہونا چاہئے۔

"اگرچہ اس میں بھی نیچے کیچڑ ہو مگر کیچڑ اس پر کچھ اثر نہیں کر سکتا۔ یہی حال انسان کا ہے کہ ایک ہی مقام پر ٹھہر نہیں جانا چاہئے (کہ) یہ حالت خطرناک ہے۔ ہر وقت قدم آگے ہی رکھنا چاہئے۔ نیکی میں ترقی کرنی چاہئے ورنہ خدا (تعالیٰ) انسان کی مدد نہیں کرتا۔"

اب "نیکی میں ترقی کرنی چاہئے ورنہ خدا انسان کی مدد نہیں کرتا۔" اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (الرعد: 12) کا مضمون دوسرے لفظوں میں بیان فرما دیا ہے۔ ایک تو یہ بات ہے کہ اللہ توفیق نہ دے تو نیکی کی طرف قدم آگے نہیں بڑھ سکتا لیکن دوسری طرف انسان کوشش نہ کرے اور یہ سمجھے کہ اللہ مجھے نیک کر دے گا یہ درست نہیں ہے۔ کوشش کی طرف متوجہ ہونا ضروری ہے

اور یہ کوشش ہے جس کو مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرما رہے ہیں، ’’ہر وقت قدم آگے ہی رکھنا چاہئے نیکی میں ترقی کرنی چاہئے ورنہ خدا (تعالیٰ) انسان کی مدد نہیں کرتا۔‘‘ یہ ایک امرِ واقعہ ہے کہ جو شخص نیکی کی جانب چاہے تھوڑی رفتار سے چل رہا ہو اس کو ضرور غیب سے مدد ملتی ہے۔ کوئی چیز ٹھہری ہوئی نہیں جب وہ ٹھہر جائے گا تو Stagnant ہونے لگے گا۔ اس کے اندر کیچڑ پیدا ہونا شروع ہو جائے گا اور پھر وہ کیچڑ کی جانب رخ اختیار کر لے گا اور گندے سے گندہ تر ہوتا چلا جائے گا۔ یہ ایسا قانون قدرت ہے جس میں کوئی استثنا نہیں ہے۔ اب جتنے گندے کیچڑ ہیں ان پہ نگاہ کر کے دیکھیں وہ جتنی دیر ٹھہرے رہتے ہیں اور بدبودار، اور بدبودار ہوتے چلے جاتے ہیں اور جراثیم کی آماجگاہ بن جاتے ہیں۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرما رہے ہیں:

> ’’ورنہ خدا (تعالیٰ) انسان کی مدد نہیں کرتا اور اس طرح سے انسان بے نور ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ آخر کار بعض اوقات ارتداد ہو جاتا ہے اس طرح سے انسان دل کا اندھا ہو جاتا ہے۔‘‘

(الحکم جلد 12 نمبر 16 صفحہ:6 مؤرخہ 2 مارچ 1908ء)

تو یہ ٹھہرنے کے نتائج ہیں۔ بعض دفعہ ارتداد اختیار کر جاتا ہے۔ بعض دفعہ نہیں بھی کرتا مگر دل کا اندھا ہوتا ہے، اہل بصیرت میں شمار نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ضروری نہیں کہ ارتداد والا ہی جماعت سے نکلتا ہے بعض لوگ جماعت میں ٹھہرے ہوئے جماعت سے نکل جاتے ہیں۔

تبلیغ رسالت جلد دہم صفحہ 72 تا 75 پر یہ عبارت درج ہے اس میں سے یہ عبارت لی گئی ہے۔ جواب میں پڑھ کر سنانے لگا ہوں۔

> ’’نیکی کرو اور خدا کے رحم کے اُمیدوار ہو جاؤ۔‘‘

اب اس ایک فقرہ میں بہت سے ایسے لوگوں کی حالت کھول دی گئی ہے جو نیکی نہیں کرتے اور رحم کے امیدوار ہوتے ہیں اور بدنصیبی سے دُنیا کی اکثریت ایسی ہے۔ مسلمان ممالک بھی بھرے پڑے ہیں ایسے مولویوں سے جو یہ تعلیم دے رہے ہیں کہ نیکی نہ کرو اور رحم کے طالب ہو، اللہ تعالیٰ رحم کرنے والا ہے، بڑا غفور و رحیم ہے، محمد رسول اللہ ﷺ شفاعت فرما دیں گے۔ یہ بالکل جھوٹ ہے، ہرگز ایسا نہیں ہوگا۔ قرآن کریم کی آیات پر نظر فرماتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو نتیجہ

نکالا ہے اس کے سوا اور کوئی حقیقت نہیں ہے۔ ''نیکی کرو اور خدا کے رحم کے اُمیدوار ہو جاؤ۔'' نیکی کرو تو خود بخود کیوں نہیں آپ نجات پا سکتے یہ بھی تو سوال ہے۔ ''نیکی کرو اور خدا کے رحم کے اُمیدوار ہو جاؤ۔'' اس کا مطلب ہے کہ نیکی کا پھل اللہ کے رحم کے بغیر نصیب نہیں ہو سکتا۔ ایک شخص یا ایک کسان کی مثال لیں جو زمین میں اچھے پودے لگاتا ہے، اچھے درخت لگاتا ہے اگر وہ خدا کے رحم کا اُمیدوار نہیں ہوتا اور اپنی محنت پر انحصار کرتا ہے تو بسا اوقات وہ پودے اور اس کی فصلیں پھل سے پہلے ہی برباد ہو جاتی ہیں اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ پھل لگتا ہے تو کڑوا پھل لگتا ہے جو جان لیوا ثابت ہو سکتا ہے۔ بادام دیکھیں کتنی اچھی ایک نعمت ہے اور میٹھے بادام کثرت سے لوگ اپنے دماغ کی طاقت کو بڑھانے کے لئے استعمال کرتے ہیں اور بھی بہت سے فوائد ہیں مگر اگر بادام کڑوا ہو جائے تو اس میں ایک ایسا زہر ہے جس سے زیادہ تیز زہر دُنیا میں موجود ہی نہیں، بہت ہی زہریلا بن جاتا ہے لیکن وہ اتنی معمولی مقدار میں اس کا زہر ہوتا ہے کہ اگرچہ اس کا کھانا ایک انسان کے لئے ایک عذاب ہے مگر پھر بھی وہ قاتل نہیں ہوتا، بہت تھوڑا ہوتا ہے۔ تو حقیقت میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فرمانا: ''اور خدا کے رحم کے اُمیدوار ہو جاؤ۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک تمہاری نیکی پھل نہیں لاتی اور اللہ کا رحم اس میں شامل حال نہیں ہوتا تب تک تم کسی اچھے آخری نتیجہ کے اُمیدوار نہیں ہو سکتے۔

''خدا تعالیٰ کی طرف پوری قوت کے ساتھ حرکت کرو اور اگر یہ نہیں تو بیمار کی طرح افتاں وخیزاں اس کی رضا کے دروازہ تک اپنے تئیں پہنچاؤ۔''

(مجموعہ اشتہارات جلد دوم صفحہ: 629)

بہت ہی دردناک نقشہ کھینچا ہے ان لوگوں کا جو نیکی کر نہیں سکتے مگر بے انتہا خواہش رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور پہنچنے کی طاقت نہیں مگر ان الفاظ میں جو نقشہ کھینچا گیا ہے یہ ان کے لئے ایک مشعل راہ بن جاتا ہے لیکن اس سے آگے انشاء اللہ اگلی دفعہ مضمون کو چلائیں گے۔